ہمدرد زمینداران

1939
۶

محمد الدین فوق

ہمدردِ زمینداراں

جس میں

کاشتکاروں۔ زمینداروں۔ دہقانوں۔ کسانوں اور عام باشندگانِ ملک کو دیہات سُدھار۔ اصلاحِ رسُوم۔ مسئلہ تعلیم بالغاں۔ امدادِ باہمی۔ صحت و صفائی۔ پنچایت سسٹم اور زمیندارہ بنکوں کے ساتھ مؤثر اور دل نشین نظموں کے ذریعہ اشتراکِ عمل کی طرف توجہ دلانے کے علاوہ

ان میں احساسِ ملکی تعلیمی بیداری۔ حبِّ وطن۔ اپنی مدد آپ کرنے اور ان کو خوشحال اور معزز دیہاتی بنانے کے پاکیزہ اور مقدس جذبات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مُرتّبہ

محمّد الدین فوق

پبلشر ظفر برادرس ——— لاہور

۱۹۳۹ء

بار اوّل

قیمت ۴ر

فہرست مضامین

نوٹ ۔ مندرجہ عنوان نظموں میں سے کئی نظمیں مختلف اخبارات ورسائل سے لی گئی ہیں۔ چند ایک براہ راست بھی موصول ہوئی ہیں۔ بعض اخبارات ورسائل کے بوسیدہ ودریدہ اور بعض شعراء کے ایڈریس معلوم نہ ہونے کی وجہ سے الفاظ کم وبیش کر کے ضرورت شعری کو پورا کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔

۱۰ر نومبر ۱۹۳۹ء

ظفر برادرس

بے خبر دہقان سے

(از ترجمان حقیقت ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم)

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تُو، کھیتی بھی تُو، باراں بھی تُو، حاصل بھی تُو

آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تُو، راہرو بھی تُو، رہبر بھی تُو، منزل بھی تُو

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا؟
ناخدا تُو، بحر تُو، کشتی بھی تُو، ساحل بھی تُو

دیکھ آکر کوچۂ چاکِ گریباں میں کبھی
قیس تُو، لیلیٰ بھی تُو، صحرا بھی تُو، محمل بھی تُو

وائے نادانی کہ تُو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تُو، مینا بھی تُو، ساقی بھی تُو، محفل بھی تُو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو

خوف باطل کیا؟ کہ ہے غارت گر باطل بھی تُو

بے خبر! تو جوہر آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اپنی اصلیّت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تُو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تُو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفاں بھی ہے

سینہ ہے تیرا امیں! اس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تُو اگر سمجھے تو تیرے پاس یہ ساماں بھی ہے

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

تحریک تعلیم بالغاں

(از محمد الدین فوق)

صاحبانِ علم وفن سے ہے ہماری التجا
وہ اگر سُن لیں تو ہو حاصل ہمارا مدعا

علم پڑھ کر آپ بے علموں سے بہتر ہو گئے
بن گئے افسر کئی ۔ اکثر محرّر ہو گئے

گو مصائب آپ کو بھی پیش آتے ہیں بہت
اور بیکاری میں وہ دل کو دُکھاتے ہیں بہت

علم کی نعمت سے پھر بھی آپ مالا مال ہیں
علم کی دولت سے پھر بھی آپ مالا مال ہیں

لیکن اُن کا بھی کبھی کیا آپ کو ہے کچھ خیال
شام جن کی شام غم اور صُبح ہے صُبحِ ملال

چھا گئی جن پر لڑکپن میں مصائب کی گھٹا
ہو گئے بالغ نہ پڑھنے کا جنہیں موقع ملا

آج تک بے علم ہیں آن پڑھ ہیں اور جاہل ہیں وہ
ملک کی اصلاح کے اسباب میں حائل ہیں وہ

خط کے پڑھوانے میں بھی وہ غیر کے محتاج ہیں
خط کے لکھوانے میں بھی وہ غیر کے محتاج ہیں

قرض دس دے کے انہیں گر ہیں لکھ لے گا کوئی
ان کی بے علمی نہ ہونے دے خبر ان کو کبھی
مُلک وہ ہرگز مہذب مُلک ہو سکتا نہیں
داغ بے علمی کو دامن سے جو دھو سکتا نہیں
کیوں نہ وہ کم بخت پھر قعرِ مذلت میں گریں
جن کی آبادی میں نوّے فی صدی جاہل ملیں
عِلم والو آپ کا ان کو سہارا چاہیئے۔
ان کی صحبت میں بھی کچھ ٹائم گزارا چاہیئے
یعنی تھوڑی سی بھی ہمدردی دکھائیں آپ اگر
آپ کے احساں نہ بھُولیں گے یہ اَن پڑھ عمر بھر
فرض کچھ ایسا نہیں ہے گو حکومت کے لئے
پھر بھی ہے تیار وہ ان کی اعانت کے لئے
محکمہ ان کے لئے کھولا گیا ہے اِک نیا
جائزہ ہو گا جہاں ان کے حصولِ عِلم کا
قاعدہ۔ تختی۔ قلم اور سیاہی اور جزدان مُفت
جو کوئی بالغ پڑھے گا پائے گا سامان مفت
فارغ التحصیل بھی اتنی مدد تو دیں مگر
وہ بتائیں مفت آ کر ان کو سب زیر و زبر
ان میں بھی ہیں جو ملازم دفترِ تعلیم کے

آج وہ احکام سُن لیں افسرِ تعلیم کے
بالغوں کو جو حصول علم میں دے گا مدد
وہ ملازم ہو نہ ہو۔ اس کی نہیں ہے کوئی حد
بالغ بے علم کی تعداد وہی جس نے گھٹا
ہے حکومت کی طرف سے مستحق انعام کا

دیہات سُدھار کا خطاب

(مصنّف نامعلوم)

ہمدرد ہوں میں دہقانوں کا اِن دُکھ بھرے انسانوں کا
بد رسموں کے پروانوں کا دیوانوں کا نادانوں کا
پیغام خوشی و عشرت ہوں
میں وہ ہوں وجہ مسرّت ہوں
غم ان کا کھانے آیا ہوں غفلت سے جگانے آیا ہوں
ذلت کو مٹانے آیا ہوں انسان بنانے آیا ہوں
جو مجھ کو پاس بٹھاتے ہیں
جو کچھ چاہیں وہ پاتے ہیں
عزت سے زندہ رہنے کا گر ان کو سکھانے آیا ہوں
اور قرض کے خونیں پنجہ سے آزاد کرانے آیا ہوں
جینے کا راز بتاتا ہوں

رہ سیدھی انہیں دکھاتا ہوں

ہندو ہیں یا عیسائی ہیں مسلم ہیں یا موسائی ہیں
جو لوگ مرے شیدائی ہیں وہ باہم بھائی بھائی ہیں

مَیں دشمن ظلم و شرارت کا
مَیں حامی مہر و محبت کا

سرکار کا اب دھنباد کرو احساں اُس کے سب یاد کرو
ویران زمین آباد کرو کیوں غمگیں ہو دل شاد کرو

جو امن پسند رعیّت ہے
سرکار کی اس پر شفقت ہے

اب ختم ہے بس پیغام مرا تم سب کو ہے پرنام مرا
کیا کام ہے صبح و شام مرا دہقاں کی مدد ہے کام مرا

اب نام بھی اپنا دُوں مَیں بتا
ہے نام "دیہات سدھار" مرا

دہقان کا مستقبل

کڑکتی دُھوپ میں کھیتوں میں دہقاں ہل چلاتا ہے
پسینہ بن کے خوں ہر موئے تن سے بہتا آتا ہے
بدن پر برچھیاں بن بن کے کرنیں شعلہ افگن ہیں

ابھی سے درپئے آسودگی یہ برقِ خرمن ہیں
خمیدہ آنکھ - تن بے پیرہن - تصویرِ مظلومی
سراپا درد - حرماں - فکر - کلفت - رنج - محرومی
یہ سب کچھ ہے یہ سب کچھ ہے مگر دیکھو انی ہل کی
زمیں کے سینۂ ہموار کو ہے چیرتی جاتی
مگر رُوئے زمیں سی خستہ تر ہے قلب دہقاں کا
کہ ہے آماجگاہ صدیوں سے ظلم و جور انساں کا
یہ ایسا کھیت ہے تلوار کا ہل جس میں چلتا ہے
لہُو کے مُنہ میں برچھی بن کے ہر خوشہ نکلتا ہے
یہ بنجر - کھیت غیر آباد - دل خاموش - دہقاں کا
طلب رکھتا ہے خوشوں کی تمنائی ہے باراں کا
یہ دونوں ہاتھ مضبوطی سے جو تھامے ہوئے ہیں ہل
یہ خاموشی سے چلنے والے پاؤں غیر متزلزل
یہ ہل ہموار کر دیں گے بلندی اور پستی کو
یہ مستقر بدل ڈالیں گے ویرانی میں بستی کو
نظر آتے ہیں تودوں کی طرح شاہی محل مجھ کو
دکھائی دیتے ہیں ارض و سما پر ہل ہی ہل مجھ کو

تعلیم بالغاں

(از محمد الدین فوق)

گمراہ کو رہ بتائے گی تعلیم بالغاں
سب نیک و بد سُجھائے گی تعلیم بالغاں
علمی دِیا جلائے گی تعلیم بالغاں
بالغ نظر بنائے گی تعلیم بالغاں
انسانیت سکھائے گی تعلیم بالغاں

تعلیم بالغاں ہی جہالت مٹائیگی
کر کے اُجالا ملک میں ظلمت مٹائیگی
ہیں جس قدر یہ نقش فلاکت مٹائیگی
ادبار و یاس و رنج و نحوست مٹائیگی
کیا کیا ثمر کھلائے گی تعلیم بالغاں

گو فرض ناشناس ہیں اور بے خبر ہیں ہم
کہنے کو آدمی ہیں مگر گاؤ خر ہیں ہم
کر لے تمام عمر یونہی گو بسر ہیں ہم
گو دیکھتے ہو خاکِ سرِ رہگذر ہیں ہم
اکسیر پر بنائے گی تعلیم بالغاں

گو مل گئی ہیں نعمتیں پنچائتوں کی بھی
گو مل گئیں حکومتیں پنچائتوں کی بھی
گو مل گئیں عدالتیں پنچائتوں کی بھی
حاصل ہیں گو کہ برکتیں پنچائتوں کی بھی
کچھ اور بھی دلائے گی تعلیم بالغاں

سنئے اسے کہ دورِ زماں کی صدا ہے یہ
دشمن جو اس کا ہو اُسے تیرِ قضا ہے یہ
تشنہ لبانِ علم کا اک آسرا ہے یہ
آؤ پیو کہ چشمۂ آبِ بقا ہے یہ
جتنا پیو پلائے گی تعلیم بالغاں

تعلیم عام ہو۔ تو ہو روشن وطن کا نام
بڑھ کر ہو باغِ خلد سے اپنے چمن کا نام

ہو دُور اپنے ملک سے رنج و محن کا نام اک اچھا پیرہن ہو پھر اپنے "پھرن" کا نام
اک دن یہ دن دکھائے گی تعلیم بالغاں

کسان اور مہاجن

(از چودھری محمد یوسف صاحب ناظر)

سُن اے کسانِ ناتواں دُنیا کا ہے تو مہرباں
تجھ پر ہو ظلم آسمان ؟ اس کا جواب اس نے دیا
مجھ کو مہاجن کھا گیا مجھ کو مہاجن کھا گیا

محنت سے مجھ کو کام تھا کھانے کو سب کچھ عام تھا
ہاں عیش تھا آرام تھا اک آہ کی اور یُوں کہا
مجھ کو مہاجن کھا گیا۔ مجھ کو مہاجن کھا گیا

یہ عیش و عشرت چھوڑ کر آرام سے مُنہ موڑ کر
سینہ کو اپنے توڑ کر پایا نہ کچھ بھی فائدا
مجھ کو مہاجن کھا گیا۔ مجھ کو مہاجن کھا گیا

مجبور ہوں مظلوم ہوں ٹکڑے سے بھی محروم ہوں
اک ہستیٔ موہوم ہوں میں کیا کروں تُو ہی بتا
مجھ کو مہاجن کھا گیا۔ مجھ کو مہاجن کھا گیا

ذلت میں ہوں میں سر بسر روتا ہوں شب سے تا سحر
لیتا نہیں کوئی خبر مجھ کو مہاجن سے بچا

مجھ کو مہاجن کھا گیا - مجھ کو مہاجن کھا گیا

میں نے کہا اے بے خبر ہمت دکھا سستی نہ کر
مکتب میں بچے بھیج کر کچھ علم تو ان کو پڑھا
غفلت نہ کر ہمت دکھا - پھر دیکھ تو ہوتا ہے کیا؟

ہاں شک نہیں اس میں ذرا گھر بار تیرا لٹ گیا
کچھ فکر بھی تو نے کیا؟ اٹھ! ہاتھ پاؤں کو ہلا
غفلت نہ کر ہمت دکھا - پھر دیکھ تو ہوتا ہے کیا

رونا نہ رو وڈّدار[ل] کا کر گلہ نہ ساہوکار کا
یہ حال ہر ناچار کا دنیا میں ہے دیکھا گیا
کر ہوش اے مردِ خدا - پھر دیکھ تو ہوتا ہے کیا

اسراف بے جا چھوڑ دے رسموں کا پھندا توڑ دے
بنکوں[ع] سے رشتہ جوڑ لے قرضہ ادا ہو جائے گا
غفلت نہ کر ہمت دکھا - پھر دیکھ تو ہوتا ہے

ل وڈّدار - وہ لوگ جو فصل سے پہلے ہی فصل کا سستا نرخ طے کرکے زمیندار کو پیشگی روپیہ دے دیتے ہیں - اور جب فصل تیار ہوتا ہے - تو اس کی ڈیوڑھی اور دگنی قیمت وصول کرتے ہیں ۱۲ ع زمیندارہ بنکوں سے مراد ہے ۱۲

"دیہات کو سُدھارو"

(از منشی رحمت علی صاحب رحمت منشی فاضل)

گاؤں کے رہنے والو اِک بات میری مانو
دَورِ زماں کو دیکھو غفلت کو دُور کر دو
دیہات کو سُدھارو۔ دیہات کو سُدھارو

دیہات کے کسانو خوابِ گراں سے جاگو
گاؤں کو چھوڑ کر تم کیوں سُوئے شہر بھاگو
دیہات کو سُدھارو۔ دیہات کو سُدھارو

اپنے پہ رحم کھاؤ پھُوٹے ہوئے نصیبو
گاؤں کو صاف رکھو دیہات کے غریبو
دیہات کو سُدھارو۔ دیہات کو سُدھارو

بنئے کو سُود کیوں دو؟ اے گاؤں کے کسانو
کچھ سُود تم بھی چھوڑو اے سُود خوار بنیو
دیہات کو سُدھارو۔ دیہات کو سُدھارو

اچھے بھلے تھے رستے سب کے تھے دیکھے بھالے
تم نے خراب کر کے تانگے گڑھوں میں ڈالے
دیہات کو سُدھارو۔ دیہات کو سُدھارو

بھارت کے دردمندو دیہات کو سُدھارو

تم پر خدا کی رحمت ہمت کبھی نہ ہارو
دیہات کو سدھارو۔ دیہات کو سدھارو

قرض کی خرابیاں

(از مخدوم سید امام علی شاہ صاحب قاصر)

خرچ کرنا ہو تو کچھ کیسہ میں بھی زر دیکھ لے
پاؤں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لے

بے ضرورت ایک پیسہ بھی نہ کیسہ سے نکال
وقت پر کام آئے گا تو پاس رکھ کر دیکھ لے

بے زری جیسی نہیں زیرِ فلک کوئی بلا
حال کیا ہوتا ہے ہر مفلس کا ابتر دیکھ لے

اس کا لینا بھی برا ہے اور دینا بھی برا
سُود لے کر آزما لے سُود دے کر دیکھ لے

تلخ ہو جاتی ہے اس سے زندگی انسان کی
جو نہ مانے۔ قرض کے پھندے میں پھنس کر دیکھ لے

تجھ کو ہو شادی رچانا بیٹی بیٹے کی اگر
بک نہ جائیں گھر کے برتن گھر کا زیور دیکھ لے

بھول کر بھی ہو نہ پابندِ رسُومات فضول
ہو گئے مفلس ہزاروں ان سے قاصر دیکھ لے

دہقان کی بیچارگی

(از مولانا محمد بخش صاحب مسلم بی۔ اے)

وقت یارب کس طرح ہوگا بسر دہقان کا
گھر گیا ہے آفتوں میں آج گھر دہقان کا

جانور۔ کیڑے مکوڑے۔ قحط۔ آندھی اور وبا
ہر مصیبت کا نشانہ ہے جگر دہقان کا

بڑھ رہا ہے خرچ اس کا گھٹ رہی ہے آمدن
کیا بنے گا آہ ایسے بے خبر دہقان کا

کر رہی ہے ان کسانوں کو دھڑے بندی تباہ
ہو گیا نذرِ عدالت مال و زر دہقان کا

کر دیا نابود اس کو ساہوکارہ سُود نے
قرض نے نقشہ کیا زیر و زبر دہقان کا

ہو نہیں سکتا زراعت پر گذارہ ان دنوں
حال پتلا اس لئے ہے بے ہُنر دہقان کا

اس میں کیا شک ہے کہ صدہا مشکلیں درپیش ہیں
دیکھنا ہے جذبۂ ہمّت مگر دہقان کا

کسان کی جھونپڑی

(از مولانا انعام اللہ خاں صاحب ناصر حسن پوری)

ہوا سے پھونس اُڑتا ہے دُھوئیں سے بام و در کالے
جُھکی ہیں تیلیاں ۔ تنکوں سے ہیں لپٹے ہوئے جالے
ستوں کا کام دیتی ہے ۔ جو چوب ناتراشیدہ
وہ دیمک اور گھن لگنے سے ہے کمزور و بوسیدہ
مکاں کیا ہے؟ بنا ہے سنگ لرزاں آہ ہل ہل کر
جدا لکڑی سے چھت اب ہونے والی ہے گلے مل کر
ہزاروں چھید ہیں ۔ ٹوٹا ہوا ہے بند بند اس کا
اِدھر ڈھلکا ۔ اُدھر لچکا ۔ اِدھر سرکا اُدھر کھسکا
کسی گوشہ پہ آندھی نے غضب کا ہاتھ پھیرا ہے
کسی جارحنہ بندی کو کسی نے بھس بکھیرا ہے
یہ پتّا ہے گرا دے گی زمیں پر برگ ریز[1] اس کو
اُڑا لے جائے گی اک دن ہوائے تند و تیز اس کو
دریچہ ہے نہ غرفہ ہے نہ چوکھٹ ہے نہ سردر ہے
جو بانی ہے تمدن کا یہ اُس معمار کا گھر ہے

[1] بمعنے خزاں ۱۲

امداد باہمی

(از مولوی سید محمد ہادی حسین نقوی صیغہ دار عدالت نظام آباد دکن)

لو آگیا زمانہ امداد باہمی کا
ہر لب پہ ہے ترانہ امداد باہمی کا
سُن لو ذرا فسانہ امداد باہمی کا
مل جائے گر خزانہ امداد باہمی کا

امداد باہمی سے پائیں گے مال و دولت
امداد باہمی کو سمجھو خدا کی رحمت

امداد باہمی سے الفت اگر رکھو گے
تم آئے دن ترقی واللہ پھر کرو گے
کہتا ہوں پھر کسی سے ہرگز نہ تم دبو گے
تا عمر پھر ہمیشہ آرام سے رہو گے

امداد باہمی تو کر دے گی دُور غربت
امداد باہمی تو کر دے گی دُور کلفت

امداد باہمی کو کیا جانے کوئی ناداں
امداد باہمی کے ہم پر بہت ہیں احساں
امداد باہمی کا گرویدہ ہو جو انساں
امداد باہمی ہی ہر درد کا ہو درماں

امداد باہمی کی شرکت ہے سب پہ لازم
وہ خوش نصیب ہے جو شرکت پہ ہوگا عازم

افسوس غیر حالت گو سب کی ہو گئی ہے
قرضہ کی آج عادت گو سب کی ہو گئی ہے
افسردہ سی طبیعت گو سب کی ہو گئی ہے
رُسوائی اور ذلت گو سب کی ہو گئی ہے

آنکھیں نہیں ہیں کھلتی مدہوش سے پڑے ہیں
مدہوش کیا ہیں ہادی گویا مرے پڑے ہیں

اُن داتا کا اپنا حال

رہین بندگیٔ خلق ہے حیات تری
بنی ہے درد محبت سی کائنات تری
ہر اک کی پرورش اپنے لہو سے کرتا ہے
تو سب کے پیکر سادہ میں رنگ بھرتا ہے
تو جب زمین کے سینے پہ ہل چلاتا ہے
تو ذرہ ذرہ ترے ساتھ مل کے گاتا ہے
غریب ہونے پہ بھی آج بادشاہ ہے تو
کہ اپنے گاؤں کا بے تاج بادشاہ ہے تو

نظر کے سامنے ہے دولت گراں تیری
وہ لہلہا رہی ہیں جنگل میں کھیتیاں تیری
ہوا میں جھوم رہی ہیں ہری بھری فصلیں
بنی ہوئی ہیں بیابان کی پری فصلیں
نہ کیوں عزیز ہو یہ ہستی تجھے زمانے میں
جھلک رہا ہے ترا خون دانے دانے میں

بجا ہے تنگ ہے تو دورِ آسمانی سے
حقیر تر ہے ترا خون آج پانی سے
نہیں نصیب تجھے پیٹ بھر کے کھانے کو
رہیگی تیری ضرورت مگر زمانے کو
یونہی زمین کے سینے پہ ہل چلائے جا
بہارِ عیش و مسرت کے گیت گائے جا
پھریں گے تیرے موافق کبھی صبح و شام ترے
کبھی تو آئے گی گردش جہاں کی کام ترے

خوابیدہ بخت زمیندار

(از چودھری ناظم علی صاحب وقار)

زمینداروں کی حالت پر کبھی جب غور کرتا ہوں
تو دل میں ہوک سی اُٹھتی ہے ٹھنڈی آہ بھرتا ہوں

نظر آتی ہے مجھ کو ہر طرف گاؤں میں ویرانی
کبھی دریائے بے پایانِ غم سے جب ابھرتا ہوں

بہت دست و گریباں دیکھتا ہوں ان کو جب اکثر
عیاذاً گھبر کے دونوں ہاتھ میں کانوں پہ دھرتا ہوں

یہ سنتا ہوں کہ نوّے فی صدی مقروض ہیں ان میں
ادا ہوتا نہیں ہے سُود بھی اس غم سے مرتا ہوں

کہیں یہ خواب غفلت ہی میں رہ جائیں نہ محشر تک
نہیں اُٹھتے نہیں اُٹھتے بہت بیدار کرتا ہوں

نہ ان میں تاب باقی ہے نہ ان میں زندگی باقی
مَیں یہ غمناک منظر دیکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں

کہ دیکھوں ان زمینداروں کا کیا انجام ہوتا ہے
سفینہ آچکا گرداب میں ملّاح سوتا ہے

ترانۂ دہقان

(از شری پُت پریم پُجاری کیمل پور)

آغوشِ دام میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
قرضہ میں جینا مرنا قومی نشاں ہمارا

ساری عدالتوں کو پاؤں تلے ہی روندا
"تھمتا نہیں کسی سے سیلِ رواں ہمارا"

ضامن وکیل اپنا حامی ہے سیٹھ اپنا
"اک سنتری ہی ہمارا اک پاسباں ہمارا"

اک سُود کھا رہا ہے اک فیس لے رہا ہے
لیکن ہے پھر بھی باقی نام و نشاں ہمارا

دارالامان زنداں وہ دن ہیں یاد تجھ کو — اُترا تری حدوں میں جب کارواں ہمارا
گو جیل سی ہیں باہر پر ہیں عمل وہیں کے — "سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا"
"کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری" — صدیوں سی گو ہے دشمن سارا جہاں ہمارا

گو کہہ گیا ہے سب کچھ اپنا ترانہ۔ پھر بھی
"معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا"

کسان کو پیغامِ عمل

(از قریشی صاحب ٹکسالی دروازہ لاہور)

نکال پستیوں سے سر — نگاہ کو بلند کر
زمی سے چشم تر اُٹھا — سما تلک نظر بڑھا
نئی ڈگر پہ رکھ قدم — عروج کا اُٹھا علم
فرنگیوں سے سیکھ کچھ — مٹا دے اپنے سارے دُکھ
ہلوں کو پھینک آ کہیں — ترے یہ کام کے نہیں
نئی کلیں خرید لے — زمین کو فروغ دے
ہر اک سے فائدہ اُٹھا — ہر اک کا کر مقابلہ
ترقیوں کا عزم کر — صعوبتوں کو ختم کر
تنازعوں کو چھوڑ اب — شرر سے منہ کو موڑ اب
نفاق باہمی مٹا — ہر اک سے دوستی بڑھا
نئی معاشرت پہ چل — شعار نو پہ کر عمل

بدل دے اپنے سب چلن　　چراغ رہنمائی بن
کلہاڑا ہاتھ میں پکڑ　　مصیبتوں کی کاٹ جڑ
زمیں سے پیدا لعل کر　　جہاں کو مالا مال کر

اتحاد باہمی

(از قیس صاحب شروانی جبوں)

دافع ظلم وجفا ہے اتحادِ باہمی
دستگیر بے نوا ہے اتحادِ باہمی
دہر میں ظلمت ربا ہے اتحادِ باہمی
سو دواؤں کی دوا ہے اتحادِ باہمی
آیۂ فضلِ خدا ہے اتحادِ باہمی

پوچھ لے یہ بات دہقاں کے دلِ ناشاد سے
داد لیتا ہے جو محنت کی لبِ فریاد سے
رات دن نالاں ہے جو چرخِ ستم ایجاد سے
سابقہ ہے جس کو ہر لحظہ نئی اُفتاد سے
کیا بتادوں تجھ کو کیا ہے اتحادِ باہمی

گردنِ انساں پہ ہے سرمایہ داری کا وبال
کر دیا ہے زندہ رہنا جس نے دنیا میں محال
بندۂ مقروض ہے اک پیکرِ حزن وملال

اپنے بندوں سے مگر غافل نہیں ہے ذوالجلال
اُس کی بخشش ہے عطا ہے اتحادِ باہمی

صحت و تندرستی سے خطاب

صحت کی تعریف

کہا میں نے یہ صحت سے کہ اے سرتاج انسانی
ترا سایہ تو انساں کے لئے ہے ظلِ سبحانی
تو زیبائش جوانی کی ۔ ضعیفی کا عصا تُو ہے
تمنا بادشاہوں کی فقیروں کی دعا تُو ہے
شباب جانفزا بن کر تُو جسمِ نوجواں میں ہے
توانائی نہیں بن کر تو جانِ ناتواں میں ہے
تری رویت کے خواہشمند دولت مند رہتے ہیں
نہ ہو گر تُو ۔ تو کاروبار سارے بند رہتے ہیں
دُرِ مقصد ہے ۔ گنجِ آرزو ۔ کان جواہر ہے
حدودِ فکرِ شاعر سے تری تعریف باہر ہے
کیا پیدا تجھے رب کے لئے حق نے زمانے میں
یہ کیسا اندھیر ہے کیسا خدا کے کارخانے میں

صحت سے شکوہ

بسی ہے جا کے یورپ میں ہوئی ہر اس کی دلدادہ
نہیں ہوتی ہمارے ملک میں آنے کو آمادہ

ہوئی ہے اہل مغرب کی تو کیوں دمساز سمجھا دے
ہمیں حاصل کریں کیونکر ہمیں یہ راز سمجھا دے

مسیحائی دکھائی ان کو ڈالی ان میں جاں تو نے
ہمیں کیوں کر دیا محروم اے جانِ جہاں تو نے

نہیں شکوہ یہ تجھ سے تیری خدمت میں گذارش ہے
گذارش میں نہاں اپنے وطن کی بھی سفارش ہے

صحت کا جواب

گذارش سن کے صحت نے مری۔ یہ ہنس کے فرمایا
کہ شکوہ بھی صفائی سے تجھے کرنا نہیں آیا

کیا کرتے ہیں نفرت مجھ سے جب تیرے وطن والے
بتا تو ہی کہ راہ و رسم کوئی کس طرح ڈالے

صفائی سے انہیں نفرت ہے میں مجبور رہتی ہوں
مجھے نفرت غلاظت سے ہے کوسوں دور رہتی ہوں

انہیں چیچک کے ٹیکہ سے ہے نفرت وہ مری جاں ہے

کہ اس میں غور سے دیکھو تو میرا راز پنہاں ہے
مکانِ صاف و روشن میں تو پائے گا نشاں میرا
ہوائے صاف میں اُڑتا ہے بس تختِ رواں میرا
جو ورزش کرتا ہے اُس شخص کی روحِ رواں میں ہوں
اُچھلتے کودتے لڑکوں کے سینوں میں نہاں میں ہوں
(نامعلوم)

پنچایتوں کے فوائد

دیہاتی راستوں اور چھوٹے چھوٹے ندی نالوں کے پلوں کی درستی غسل خانوں اور تالابوں کی تعمیر اور مرمت۔ چشمہ کی صفائی اور اس کی پختگی وغیرہ وغیرہ۔

(از محمد الدین فوق)

کیا اُس نے خلقت پہ احساں بڑا
رکھی جس نے پنچایتوں کی بِنا
خدا نے ہے گر کی عنایت! سمجھ
انہیں اپنے گھر کی حکومت سمجھ
مقدمات میں ان سے گو ہے کمی
بہت فائدے ان سے ہیں اور بھی
غسل خانے گر ہیں مرمت طلب
کہیں گر ہیں چاہات محنت طلب
صفائی کے قابل ہیں تالاب گر
ہے پانی بھی کنڈی[1] میں نایاب گر
کریں گی یہ تعمیر تالاب و چاہ
کہ ہیں یہ دیہاتی کی پشت و پناہ
ہیں دیہات کے راستے جسقدر
وہ تکلیف دہ بھی ہیں اور پُرخطر

[1] کنڈی وہ خشک علاقہ جہاں پانی بہت کمیاب بلکہ نایاب ہوتا ہے ۱۲

انہیں صاف وہموار کرتی ہیں یہ
نشیبی علاقہ کو بھرتی ہیں یہ
مددسب کو پڑھنے بڑھانے ہیں دیں
مددسب کو غربت مٹانے ہیں دیں
بنائیں کہیں گرد چشمہ کے حوض
کرو۔ ان کی خدمت پہ کچھ غور و خوض
نہ آئے کسی کام میں کچھ خلل
ہدایات پر ان کی گر ہو عمل
اور اک شرط یہ ہے کہ ممبر تمام
رکھیں اتحاد اور رہیں شادکام
اگر ان میں باہم کدورت ہے کچھ
بجائے محبت عداوت ہے کچھ
ہیں پنچائتیں ساری بیکار پھر
سنبھلنا تمہارا ہے دشوار پھر
نہ پھر تم میں کچھ علم کی روشنی
وہی تم وُہی تم میں پھر تیرگی
وُہی تم وُہی پھر کچہری کی خاک
وُہی تم وُہی حال پھر دردناک

نسوار کی بدعادت

(از منشی غلام محمد صاحب خادم و محمدالدین فوق)

ملک میں ہے وہ شدّت نسوار
جس سے خالی نہیں صغار وکبار
کوئی دیکھے وطن کی حالتِ زار
کوئی ایسا ملے کہیں غم خوار
آکے ان سے چھڑائے جو نسوار
کم سے کم نصف اپنی پیداوار
کاشتکاروں نے کی ہے اس پہ نثار
بعد اس کے جب آگیا ادبار
اور کہیں سے بھی کچھ ملا نہ اُدھار
پھر یہ جاتے ہیں سُوئے ساہوکار

کرکے آیندہ فصل کا اقرار ان سے لاتے ہیں درہم و دینار
کاٹ کے پیٹ اپنے بچوں کا لے ہی نسوار آئے آخر کار
ایسی نسوار پر خدا کی مار

چائے و قہوہ و کلچہ کی بھرمار گانجہ و چرس و حقہ و نسوار
خرچ دس میں آمدن دو چار کاش دیکھیں وہ اپنا حال زار
جس پہ ہنستے ہیں یار اور اغیار

آج کہتے ہیں ہم یہ بے وسواس ہو غلام نبی کہ ایشر داس
ناس نے کر دیا ہے سب کا ناس دونوں نتھنے ہیں ان کے دو سنڈاس
جن سے بہتا ہے پانی موسلا دھار

کرتے نسوار سے ہیں سب مسواک ناس سے بھر گئے جب ان کے ناک
مار کے چھینک ۔ مادۂ ناپاک جمع رومال میں کریں بے باک
جیب میں اس کی پھر کریں بھرمار

یہ مکینوں میں اور مکانوں میں اور یہ موجود سب دوکانوں میں
عالموں ۔ جاہلوں سیانوں میں سب سے بڑھ کر ہی یہ کسانوں میں
جن کی حالت ہے آج زار و نزار

کیوں نہ ہو ان پہ قہر رب قدیر معصیت میں پھنسے مرید اور پیر
ماہ رمضاں میں یہ گناہ کبیر روزہ داری میں ناس اور جنجیر[لہ]

لہ جنجیر بمعنے حقہ ۔ دیہات میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں ۔ جو روزہ رکھ کر نسوار ناک میں چڑھا لیتے ۔ اس کی مسواک کرتے اور حقہ پی لیتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۱۲

دیکھیے کم ہوں گے ایسے روزہ دار

جن کو نسوار کی ہے بد عادت ان کے اعمال کی ہی یہ اشامت
ان کے دانتوں میں میل کی کثرت ان سے چھوٹے بڑوں کو ہو نفرت

گو زباں سے نہ وہ کریں اظہار

جاگ دیہاتی اَب تو جاگ

(از پنڈت جیالال گیرو - بی اے سر دیئر رورل ڈیولپمنٹ وپنچایت)

مستی غفلت اور جہالت ذلّت غربت ابتر حالت
یہ ہیں دشمن انہیں تیاگ جاگ دیہاتی اب تو جاگ

یاس - نحوست سے منہ موڑ قسمت کے افسانے چھوڑ
ہوش کر اور سستی سے بھاگ جاگ دیہاتی اب تو جاگ

بے جا خرچ مقدمہ بازی اس سے کیوں رہتا ہی راضی
دونوں سے اب رہ بے لاگ جاگ دیہاتی اب تو جاگ

لے لے جو کچھ دے سرکار مانگ لے جو کچھ ہے درکار
جنت میں دوزخ کی آگ؟ جاگ دیہاتی اب تو جاگ

کالج اور اسکول ہیں جاری پھر کیوں پڑھنے سے ہے عاری
دیکھ! ہے کیسا اچھا راگ جاگ دیہاتی اب تو جاگ

تعلیم بالغاں کے لئے

(از محمد الدین فوقؔ)

لازمی ہے ہر مدرّس کے لئے ملک سے وہ دُور بے علمی کرے
دے اگر توفیق کچھ ان کو خدا جال پھیلا دیں وطن میں علم کا
جس گھڑی جائے گی یہ ناخواندگی دُور ہو گی اُس گھڑی درماندگی
ملک کے بے علم نوّے فی صدی کس طرح کرتے بسر ہیں زندگی
لکھنے اور پڑھنے سے ناواقف ہیں سب گھٹنے اور بڑھنے سے ناواقف ہیں سب
خط کہیں سے آئے گر کوئی انہیں پیش آئیں سخت ان کو مشکلیں
دوڑتے پھرتے ہیں سارے گاؤں میں پڑ گئے چھالے بھی اُن کے پاؤں میں
جانتا ہو راہ کوئی تو رہ بتائے کوئی خواندہ ہو تو خط ان کو سنائے
بالغوں کو کچھ پڑھانا چاہیئے علم کچھ ان کو سکھانا چاہیئے
خط کا لکھنا اور پڑھنا جان لیں ہندسے بھی کچھ نہ کچھ پہچان لیں
کام یہ اگو ملک کی خدمت بھی ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ اُجرت بھی ہے
جو مدرّس اس میں کچھ دے گا مدد اپنے افسر سے وہ پائے گا سند
اور سوا اس کے ترقی بھی ملے خوش رکھے افسر کو۔ خود بھی خوش رہے

گاؤں میں جتنے ہیں نمبردار سب
معتبر سب اور ذمہ دار سب
خود ہیں ناخواندہ تو وہ خود بھی پڑھیں
دوسروں کو بھی اِدھر مائل کریں
مل کے سب کہہ دیں جہالت دُور ہو
ملک سے افلاس و نکبت دُور ہو

ٹڈّی دَل اور دہقان

محمد نواب خاں صاحب ظفر

کس زباں سے ہو ادا تیری ثنا اے کردگار
کھیت میں اپنے یہ دہقاں کہہ رہا تھا بار بار
فصل یہ گاڑھے پسینہ کی کمائی ہے مری
خیر سے لے جاؤں گھر اپنے مَیں اے پروردگار
کھیت کیا تھا اپنی ہریاول سے تھا رشکِ چمن
جس کے آگے سنبل و لالہ و ریحاں شرمسار
دیکھ کر کھیتی ہری اپنی خیال آتا اُسے
شاید اب بے باق ہو جائے گا قرضِ ساہوکار
کاج بیٹی کا بھی تو اس سال ہی درپیش ہے
وہ اگر ہو جائے تو آ جائے کچھ دِل کو قرار
سر چھپانے کے لئے اب گھر بھی اک بن جائیگا
جس سے گزُریں گے ذرا آرام سے لیل و نہار

تھا وہ محو داستانِ زندگی! آیا نظر
جانبِ مغرب اُسے اُڑتا ہُوا گرد و غبار
ٹڈیوں کی فوج کا تھا وہ غبارِ خوفناک
صاف چٹ میدان جس نے کر دیا سب مرغزار
حسرتیں دل ہی کی دل میں رہ گئیں ساری ظفرؔ
شومئ قسمت پہ دہقاں کیوں نہ روئے بار بار

ظفر برادرس

رونے دھونے ہی سے ملتا گوہرِ مقصود اگر
گریہ وزاری میں دیتے عمر ہم ساری گذار
ٹڈیوں کی فوج بیشک ہے بلائے ناگہاں
یہ گل و گلزار کو کرتی ہے بے شک خارزار
اس بلا کے دفع کرنے کا ہے ہر ممکن علاج
لیکن اس کے واسطے ہونا پڑے گا ہوشیار
گاؤں کے سب لوگ جمعیت بنا کر آئیں گر
پیچھے پیچھے اس کے پھر دوڑیں وہ سب دیوانہ وار
پاس کچھ ڈنڈے ہوں اور کچھ ہاؤ ہو کا شور ہو
گھیر کر اس کو گڑھوں کی سمت کر دیں سوگوار
یہ گڑھے ان کے لئے فوراً چتا بن جائیں گے
آگ دینے سے وہاں اٹھنے لگیں گے جب شرار

یہ ہو۔ یا ایسی ہی کچھ ترکیب کوئی اور ہو
جس سے ہو جائے "شکاری" دم زدن میں خود شکار
ہاتھ رکھ کر ہاتھ پر تو بیٹھ رہنا ہے فضول
اس طریقہ سے ظفر یابی نہ ہوگی ہمکنار

افتتاحی رسم جلسہ پنچایت

۲۶ جولائی ۱۹۳۸ء کو پانپور (کشمیر) میں اجرائے آب رسانی (واٹر ورکس) کی افتتاحی رسم کا جلسہ زیر صدارت رائے صاحب پنڈت شیام سندر لعل صاحب بی۔ اے رورل ڈولپمنٹ افسر منعقد ہوا۔ اس میں مندرجہ ذیل نظم پڑھی گئی:۔

مخلص تمام جمع ہیں قصبہ کے اس جگہ
کیا دے رہی ہے آج مزا رسم افتتاح
رورل ڈیوئیمنٹ کے افسر بھی ہیں یہاں
دکھلائیں ان کو اہل وفا رسم افتتاح
سندر بھی ہیں شیام بھی ہیں لعل بھی ہیں وہ

لے پانی کے ٹینک کا اجرا اس جلسہ افتتاحیہ کے قریباً تین ماہ بعد بزیر صدارت سر گوپال سوامی آئینگر پرائم منسٹر ہوا:۔

ہے ان کے دم سے بیش بہا رسم افتتاح
کہتے ہیں بوند بوند سے بنتی ہے جوئبار
کاش اس کی ہو یہ راہنما رسم افتتاح
دیہات کے سدھار کا کتنا خیال ہے
سب کچھ تمھیں یہ دے گی بتا رسم افتتاح
اصلاح رسم بد کا رہے ساتھ ہی خیال
سُنتے ہو کہہ رہی ہے یہ کیا رسم افتتاح
سمجھو کہ لال تراگ جو صدیوں سے خشک تھا
تر کر رہی ہے اس کی ربا رسم افتتاح
پینے کا پانی اب نئے سانچہ میں آئے گا
اُس سانچہ کی ہوئی ہے ادا رسم افتتاح
جس خار و خس کی وجہ سے پانی غلیظ تھا
اُس خار و خس کو دے گی بہا رسم افتتاح
آتی نظر ہے اس سے جھلک اتّفاق کی
ہے آئینۂ صدق و صفا رسم افتتاح
سرکار کی عنایتوں کا سب ظہور ہے
ورنہ کُجا یہ شان کُجا رسم افتتاح
کیجے وہ کام جس سے زمانہ میں نام ہو
رہ جائے یاد صبح و مسا رسم افتتاح

تعلیم دیجئے وہ ذکور و اُناث کو
جس پر کرے یہ فخر بجا رسم افتتاح

پہنچا سکیں نہیں ! یہ سوا راج گھر کا ہے
ہے اس خوشی میں آج ادا رسم افتتاح

جس سے ہو سب کی زندگی عزّ و وقر کے ساتھ
رکھے گی آج اُس کی بنا رسم افتتاح

یہ قصبہ عنقریب بنے گا مثالِ شہر
دے گی یہ آج مژدہ سُنا رسم افتتاح

سوئے ہوئے جو لوگ تھے بیدار ہو گئے
ہے اس لئے یہ رُوح فزا رسم افتتاح

اے دوست آؤ ہم بھی چلیں پانپور میں
آیا منانے چھوٹا بڑا رسم افتتاح

اچھے بیل

(از منشی برکت علی صاحب شہید)

اچھے بیل انسان کے ہیں بہترین خدمت گزار
ہے زراعت کی ترقی کا انہی پر انحصار

کاشتکاری ہو نہیں سکتی بجُز ان کے کبھی
جس پہ ہے اہل جہاں کی زندگانی کا مدار

لہلہاتے کھیت جس کو دیکھنے مطلوب ہوں
تو خریدے وہ حصاری نسل کے بیل ایک بار
بیل جب اچھے ہوں تو فصلیں بھی کیوں اچھی نہ ہوں
آزما کر دیکھ لے اس بات کو ہر کاشت کار
ہو گی کم دنیا میں کوئی اور شے ایسی مفید
جیسے ہیں مضبوط و عمدہ بیل اے عالی تبار
صاف اور ستھرے مکاں میں ان کو رکھنا چاہئے
ہو نہ جائیں تاکہ یہ کمزور و بیمار و نزار
جاری رکھنا ہو اگر کھیتی کا کاروبار کچھ
پرورش لازم ہے ان کی تا بحدِ اختیار
چارہ ان کو اچھا اور کافی کھلانا چاہئے
وقت پر تازہ تریں پانی پلانا چاہئے

کسان سے خطاب

(از منشی برکت علی صاحب شہید)

ناک کٹ جانے کا اے دہقاں بہانہ چھوڑ دے
چھوڑ دے رسم و رواجِ مسرفانہ چھوڑ دے
ہے جواں مردوں کا زیور ہمت و عزم صمیم
بن نہ بزدل شکوۂ جورِ زمانہ چھوڑ دے

خود سنور جائے گا استقبال فکرِ حال کر
اور رنجِ عہدِ ماضی کا فسانہ چھوڑ دے

حیف ہے سنگِ گرانِ جہل کو تو لے اُٹھا
اور نادانی سے علم ایسا خزانہ چھوڑ دے

اس سے پہلے ہو تُو میدانِ عمل میں گامزن
جبکہ مُرغِ رُوح تن کا آشیانہ چھوڑ دے

راگنی وہ چھیڑ جس سے دُور ہو جائے جمُود
جو نہ گرمائے دلوں کو وہ ترانہ چھوڑ دے

تجھ پہ ہے اہلِ جہاں کی زندگی کا انحصار
گلشنِ ہستی میں تیرے دم سے قائم ہے بہار

جہالت اور بے علمی

(از منشی برکت علی صاحب شہیدؔ)

وہ جہالت کر دیا ہے جس نے دُنیا کو تباہ
وہ جہالت جو کہ ہے سرچشمۂ عیب و گناہ

وہ جہالت جو کہ ہے بیخِ درختِ گمرہی
وہ جہالت برقِ غیرت سوز ہے جس کی نگاہ

وہ جہالت جو بہارِ خارزارِ جُرم ہے
ہاں وہی جملہ مصائب کی جو ہے پُشت و پناہ

وہ جہالت ہاں وہی جو دُشمنِ تہذیب ہے
وہ جہالت ہاں وُہی جس سے ہیں دِل ہوتے سیاہ
وہ جہالت جس سے وابستہ ہیں عالم کے عیوب
وہ جہالت جو کہ ہے بنیادِ وہم و اشتباہ
وہ جہالت جو کہ ہے اُمّ الجرائم اے کساں
وہ جہالت جو ترقّی میں تری ہے سدِّ راہ
وائے حسرت بن گیا تُو اُس کا اِک ادنیٰ غلام
آپ اپنے مٹنے کا باعث ہُوا تُو آہ آہ
یہ زمانہ علم کا اور جہل ہے تجھ کو پسند
عیش و راحت کا نہ کیوں پھر تجھ پہ ہو دروازہ بند

اشتمالِ اراضیات

(از منشی برکت علی صاحب شہید سیکنڈ ماسٹر دتوال)

اے کساں تیری اراضی گرچہ کافی ہے۔ مگر
سینکڑوں قطعات کی صورت میں ہے وہ جلوہ گر
کوئی تو ان میں بڑا ہے کوئی چھوٹا اس قدر
جس کا رقبہ چند مرلوں سے نہیں ہے بیشتر
کوئی ہے مشرق کی جانب کوئی مغرب کی طرف
ایک گر نزدیک ہے تو دُوسرا ہے دُور تر

جو بہت چھوٹے تھے وہ بالکل نہ بوئے جا سکے
اور جو بوئے گئے ان کی نہ لی تو نے خبر
اس لئے جو فصلیں محروم حفاظت تھیں وہ سب
حادثات دہر کے ہاتھوں ہوئیں زیر و زبر
آ دبوچا مختلف آلام نے آخر تجھے
بن گیا تو موردِ آفات قصہ مختصر
اب تو اے ناداں سنبھل جا اور غفلت چھوڑ دے
کھیت جو بکھرے ہوئے ہیں ان کو یک جا جمع کر
ورنہ تیری گھات میں ہے انقلابِ روزگار
پیس کر رکھ دے گی تجھ کو گردشِ لیل و نہار

منظوم رپورٹ
کمیشن انسداد رشوت ستانی

(از محمد الدین فوق)

کچھ عرصہ ہوا حکومت جموں و کشمیر نے رشوت ستانی کیلئے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس کمیٹی کے صدر خان بہادر آنریبل شیخ عبدالقیوم چیف جسٹس تھے مختلف محکموں کے متعلق مختلف پوزیشن کے لوگوں نے کمیشن کے روبرو شہادتیں دیں۔ رپورٹ میں تمام محکموں کو زیر بحث لایا گیا لیکن یہاں صرف انہی محکموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کا زیادہ تر تعلق اہل دیہات اور کاشتکار طبقہ سے ہے۔

چونکہ یہ نظم ہے اس لئے رپورٹ کے اصل الفاظ کی بجائے بعض جگہ اُن کے مفہوم کو ظاہر کرنا پڑا ہے اور ہندوستانی ریاستیں ہوں یا برطانوی ہندوستان قریباً ہر جگہ زمینداروں کو انہی مصائب سے واسطہ رہتا ہے جن کا ذکر گورنمنٹ جموں و کشمیر کے کمیشن انسداد رشوت ستانی نے کیا ہے [1] :-

محکمۂ مال

یہ مُسلم ہے کہ ایسا کوئی پٹواری نہیں
"ناس شُدہ" کی ازل سے جس کو بیماری نہیں

اور بیماری بھی پھر ایسی کہ جو ہے لاعلاج
برص کی ممکن دوا ہے کوڑھ کا ہو کیا علاج

ان کی رشوت اب رواج و رسم کی صورت میں ہے
بڑھ کے تنخواہوں سے ان کو آمدن رشوت میں ہے

گو یہ ہر مشکل میں دہقاں کا مشیر کار ہے
پر "شہادت" میں زمینداروں کا یہ اظہار ہے

جب تلک آئے نہ دہقاں کی کمائی پر زوال
کاغذات مال کی نقلوں کا ملنا ہے محال

صورت حالات ہے یہ اس قدر افسوسناک
"راشیانِ مال" کے کیجے گریباں چاک چاک

---

[1] مال۔ پولیس اور جنگلات کے متعلق جو شکایات کمیشن میں گواہوں نے پیش کی ہیں۔ ان کی صحت کے باوجود ان محکموں میں مستثنیات بھی ہیں گو وہ خال خال ہیں [2] مراد از رشوت ۱۲

محکمہ پولیس

گو پولس ہے وقف ہم سب کی حفاظت کے لئے
یعنی مظلوموں کی خدمت اور اعانت کے لئے
ان کے متعلق "گواہوں" کی شکایت عام ہے
اس شکایت کی بدولت ہی پولس بدنام ہے
کہتے ہیں، دست تعاون ان کا ہو جب تک نہ گرم
ان کا پتھر دل! یہ ناممکن! کبھی ہو جائے نرم
اور یہ جب تک نہ ہو۔ سمجھو شکایت لغو ہے۔
مدعی پر آئے گی بلکہ مصیبت پے بہ پے
عین ممکن ہے کہ ہو مظلوم ہی تقصیر وار
اور جو ملزم ہے بن جائے پولس کا یار غار
جو پولیس والوں کے ہیں دلال بھی اور یار بھی
ان میں نمبردار بھی شامل ہیں چوکیدار بھی

محکمہ جنگلات

جس قدر ادنیٰ ملازم ملک کے جنگل میں ہیں
قول ہے ان کا کہ ہم جنگل میں کیا منگل میں ہیں
جو رعایت کاشتکاروں کو حکومت سے ملی
گر ملی فارسٹ والوں سے تو دقت سے ملی
جو نہیں دیتا انہیں دقت مقرر پر رسوم

گھیرتا ہے پھر اُسے جھوٹے مقدموں کا ہجوم
تنگ ہو کر اس قدر معذور ہو جاتا ہے وہ
مانگنے پر بھیک کے مجبور ہو جاتا ہے وہ
دیکھتا ہر سمت وہ آزار ہی آزار ہے
موت آساں ہے اُسے اور زندگی دُشوار ہے
مدعی جب خود بنے منصف مقدمے کے لئے
ہو گیا تیّار وہ ہر ایک صدمے کے لئے
یعنی ڈی ایف او کہ ہیں عالی نظر عالی وقار
رکھتے ہیں اپنے ڈویژن میں ججی کے اختیار
مدعی جب محکمہ فارسٹ کے ہوں اہل کار
افسر انصاف بھی اس محکمہ کا ہو "وقار"
یہ طریقہ بھی ہو حامی جبکہ رشوت کے لئے
کیوں نہ پھر مظلوم کھولیں لب شکایت کے لئے

جوڈیشل

یُوں تو ہر اک محکمہ رشوت ستانی میں ہے غرق
پھر بھی "از روئے شہادت" ہم نے کچھ پایا ہے فرق
ہر عدالت میں جسے رشوت کی ازبس چاہ ہے
وہ محرّر ہے کوئی یا کوئی کم تنخواہ ہے

افسرانِ محکمہ پر کیوں کریں ہم اشتباہ

جب خلاف ان کے کمیشن میں نہیں آئے گواہ

نمونہ کا ایک کواپریٹو گاؤں

دیہات سدھار اور مفید خلائق سرگرمیوں سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے

(از محمد الدین فوق)

وہ گاؤں ہر نگاہ میں مقبول عام ہے

امداد باہمی کا جہاں کچھ نظام ہے

ہوتا ہے اس طریق سے انجام کیا سے کیا؟

چھوٹے سے ایک گاؤں کا کہتا ہوں ماجرا

کچھ حال سنئے پھالیہ[1] کے ایک گاؤں[2] کا

ہشیار، چست۔ متحد اور نیک گاؤں کا

گنئے وہاں مکان تو "دوسو مکان" ہے

---

[1] ضلع گجرات پنجاب میں پھالیہ ایک مشہور تحصیل ہی۔ جس کی حدود ریاست جموں کی تحصیل بھمبر سے ملتی ہیں [2] گاؤں کا نام چک ۴۶ ل ہے۔ جو ۲۲-۲۳ سال سے نہر لوئر جہلم کے جاری ہونے پر آباد ہوا۔ اور جس کی آبادی آٹھ نو سو نفوس سے زیادہ نہیں۔ اور جس کو محکمہ اطلاعات پنجاب نے ایک قابل تقلید گاؤں لکھا ہے ۱۲

اور کچھ نہ کچھ "لکھا پڑھا" ہر خاندان ہے
امداد باہمی کی بھی ہے انجمن وہاں
دیہات کے سدھار کا بھی ہے چمن وہاں
گاؤں میں گندگی کا نشاں تک نہیں کہیں
گاؤں میں جو مویشی ہے وہ ناتواں نہیں
گلیاں بھی صاف! کاشت بھی بہتر طریق سے
تعلیم کا بھی شوق مؤثر طریق سے
برباد کرنے والی رسومات بھی نہیں
زر کو جو خاک کر دیں وہ عادات بھی نہیں
اچھے سے اچھا بیج زراعت کے واسطے
تیار ان کو پاؤ گے محنت کے واسطے
پہچانتا ہے نبض زمانہ کی واں ہر ایک
یعنی وہاں ہے ساکن باغ جناں ہر ایک
امداد باہمی نے واں قرضہ چکا دیا
پنچایتوں نے گاؤں کو لندن بنا دیا
یہ گاؤں ایک رشک کے قابل مثال ہے
تقلید اس کی جو کرے گا وہ نہال ہے

طاعون کا وطن

(از منشی برکت علی صاحب شہید)

وہ بستی جو اسیر حلقۂ دام جہالت ہے
وہ بستی ہاں وہ بستی جس پہ غفلت کی حکومت ہے
جہاں چوہوں کی کثرت ہے جہاں ظلمت ہی ظلمت ہے
وہی میرا وطن ہے میں وہیں کی رہنے والی ہوں

وہ آبادی جسے نفرت ہے ٹیکہ سے صفائی سے
وہ آبادی جو باز آتی نہیں ہرگز بُرائی سے
وہ آبادی جو بیگانہ ہے نیکی سے بھلائی سے
وہی میرا وطن ہے میں وہیں کی رہنے والی ہوں

ناصاف گاؤں

(از منشی برکت علی صاحب شہید)

رہتا ہے جس گاؤں میں تو کیا بتاؤں اس کا حال
مسکن امراض ہے وہ منبع حزن و ملال
گر گلی کوچے غلاظت میں ہیں اس کے بے نظیر
تو مکاں تاریکی و تنگی میں اس کے بے مثال

کوڑا کرکٹ ہر طرف ہے بے طرح بکھرا ہوا
حق زمیں کا ہو رہا ہے یوں تلف اور پائمال
اس قدر بے ڈھنگ اور گنجان آبادی ہے یہ
ہے گذر جس میں ہوا اور روشنی تک کا محال
جن سے ہو سکتی ہے کچھ بنیادِ صحت استوار
کھوج مل جائے ترے گاؤں میں ان کا کیا مجال
جب ترے گھر پر ہو قابض لشکرِ موش و مگس
کیوں نہ پھر بیماریوں کو ہو وہاں حاصل کمال
تجھ کو نفرت ہے صفائی سے غلاظت سے ہے پیار
اس لئے ہے مبتلائے غم ترا اہل و عیال
گر اسی بستی میں کچھ مدت رہا تیرا قیام
جلد ہو گا کام تیرا فیض سے اس کے تمام

غلاظت کے انبار۔ یا سونے کی کان

(از محمد الدین فوق)

کھاد کے انبار ظاہر میں غلاظت کا ہیں ڈھیر
تو اگر سمجھے تو ہیں کانِ طلا تیرے لئے
آ بتاؤں اب تجھے میں اے کسانِ بے خبر
بن گئے کیوں کر یہ پیغامِ قضا تیرے لئے

تجھ کو ان کی قدر و قیمت سے جو ہوتی آگہی
منتشر شیرازہ کو اس کے تو رکھتا باندھ کر
تیری گلیوں تیرے کوچوں کی مگر یہ گندگی
اُڑ رہی ہے خاک کی صورت ہوا کے دوش پر

زہر بن کر جا دھنسی جب آنکھ مُنہ اور ناک میں
حلق پر اور پھیپھڑے پر پھر لگا ہونے اثر
آئی کھانسی اور تپ دق کا بھی آپہنچا پیام
رفتہ رفتہ زیست کا قصہ ہوا سب مختصر

کام لیتا کھاد کا اس گندگی سے تُو اگر
اور کھیتوں میں اسے تُو ڈالتا ترتیب سے
تیری پیداوار کیوں دُگنی نہ ہو جاتی وہیں
"کیمیا خواہی زراعت کُن" اسی ترکیب سے

منتشر کھیتوں کے اجتماع کی صُورت

(از فیروز قریشی صاحب وڈالوی)

سوچ اے دہقان کیوں تُو بستۂ افلاس ہے
اور اپنی حالتِ بدتر سے بے احساس ہے

کہتے ہیں محنت کسی کی رائیگاں جاتی نہیں
محنتِ شاقہ تری پھر کیوں ثمر لاتی نہیں
تیرے پیکر پر مسلط وائیِ نکبت ہے کیوں
دل ترا نا آشنائے راحت و عشرت ہے کیوں
آ بتاؤں میں تجھے کیوں ہے بری حالت تری
اور ضائع جاتی ہے کس واسطے محنت تری
یہ زمانہ تو نہیں رہتا سدا اک حال پر
چل رہا ہے تو مگر اپنی پرانی چال پر
کھیت ہیں تیرے پریشاں اس طرف کچھ اُس طرف
ہے اثاثہ تیرا ویراں اس طرف کچھ اُس طرف
مُنتشر کھیتوں کی رکھوالی تو ہے امرِ محال
کر انہیں یکجا مدد دے گا طریقِ اشتمال
وقت بھی بچ جائے گا نزدیک بھی ہو جائیں گے
داغِ ناکامی و غربت کو بھی یہ دھو جائیں گے
دیکھ آنکھیں کھول کر "اسراف" کے انجام کو
رکھ نہ اب دل میں غلط پروائے ننگ و نام کو
کام اپنے بازوؤں کے بل پہ کر ناداں نہ ہو
مفت میں غیروں کا تو شرمندۂ احساں نہ ہو

پنچائتوں کا سب سے بڑا فائدہ

(از محمد الدین فوق)

اتفاقاً کل مجھے ہردو شیوا[1] جانا پڑا
فوق[2] و خادم[3] کا جو ہے زنگیر کی جانب وطن

جمع تھے اکثر دیہاتی واں درختوں کے تلے
جن کی غربت کا پتہ دیتے تھے ان کے پیرہن

کچھ کھڑے تھے ان میں اور اکثر تھے فرش خاک پر
اک دری تھی جس پہ تھے تشریف فرما پنج تن[4]

اک دیہاتی سے یہ پوچھا میں نے یہ جلسہ ہے کیا؟
جمع ہیں اس جگہ آخر اس قدر کیوں مرد و زن

مجھ کو اس مرد کہن نے یوں دیا اس کا جواب
آج ہے اجلاس پنچائت کا اے شیریں سخن

میں نے پھر پوچھا کہ سرکاری ہے پنچایت یہ کیا

---

[1] ہردو شیوا اعلاقہ زنگیر متصل سوپور ایک مشہور گاؤں ہے جسکی پنچایت میں قریباً چھ سات اور دیہات شامل ہیں
[2] محمد الدین فوق [3] منشی غلام محمد خادم مرحوم۔ زمینداروں کے مشہور بہی خواہ اور پنچائت ہردو شیوا کے سب سے پہلے سیکرٹری ہے [4] پانچ تن سے حسب ذیل مراد ہے۔ ایک صدر یعنی سرپنچ۔ دوسرا سیکرٹری۔ اور باقی تین ممبر۔ کل پانچ۔

یا بنائی اہلِ دیہہ نے خود یہ اپنی انجمن
فائدہ بھی اس سے ہے دیہات والوں کو کوئی
یا ہے یہ بھی "مرکز جنگ گاہِ شیخ و برہمن"

یُوں کہا اُس نے کہ پنچایت تو دی سرکار نے
دیہہ والوں نے سجایا ہے مگر اِس کا چمن
حکم سے سرکار کے کرتے ہیں ممبر منتخب
دخل ہے تو بس یہی سرکار کا اے جانِ من
ہاں اگر بے ضابطہ کچھ کارروائی ہو کہیں
حاکمِ بالا سُنے گا داد خواہوں کے سخن
مجھ سے پھر اُس نے کہا اس سے ہیں صدہا فائدے
فائدہ پہلا ہی سُنئے گر نہ سُننا ہو کٹھن
ہم وہی تھے جن کو یہ اشٹام اور عرضی نویس
دفتروں کے منشیوں سے مل کے کہتے تھے برزن
ہم وہی تھے ہولے تھے جا کر عدالت میں ذلیل
لُوٹ لیتے تھے وکیل وارد لی مال اور دھن
اب وہی ہیں ہم کہ پنچایت کی برکت کی طفیل
گھر کی گھر ہی میں رہا کرتی ہے اپنی آمدن
ایک دو پیشی میں ہو جاتا ہے سارا فیصلہ
آج سر پر تیغ ہے کوئی نہ کوئی تیغ زن

اب نہ رشوت ہی کہیں ہے اور نہ نذرانہ کہیں
"چار آنہ"[1] نے مٹا ڈالی یہ سب رسمِ کہن

گر وطن میں ہو گیا پنچایتوں کا کچھ رواج
اور یونہی ہوتی رہی گر اُن سے اصلاحِ وطن

کچھ سمجھ بھی ہم کو کچھ تہذیب بھی آ جائے گی
شہر باشی پھر نہ دیہاتی کو سمجھیں گے گپن[2]

تعلیم بالغاں کے خوشگوار نتائج

(از محمد الدین فوقؔ)

او دلِ شکن او سست رو او خوار و خستہ حال
تعلیم بالغاں کو نہ جان اِس قدر محال

ممکن کو کیوں سمجھتا ہے ناممکنات سے
کیوں آنکھیں بند کرتا ہے تُو واقعات سے

آ مجھ سے ایک واقعۂ فرخندہ حال سُن
جو کامیابیوں کی ہے سچی مثال سُن

اک شخص تھا غریب حسن ڈار نام تھا

---

[1] پنچائت میں مقدمہ کا سارا خرچ صرف چار آنہ ہوتا ہے۔ وہ بھی مقدمہ دائر کرنے کی فیس۔ گویا یہ ایک قسم کا پنچایتی اسٹامپ سمجھا جاتا ہے [2] گپن۔ مویشی۔ حیوان ۱۲

محنت سے اس کو روزی کمانے سے کام تھا
مٹی اُٹھاتا تھا کبھی اینٹیں اُٹھاتا تھا
بچوں کو حق حلال کی روزی کھلاتا تھا
اک خواندہ شخص رہتا تھا اُس کے پڑوس میں
دریائے علم بہتا تھا اُس کے پڑوس میں
اِک دن یہ اُس نے آ کے حسن ڈار سے کہا
خوشبوئے گل نے یُوں خلشِ خار سے کہا
آندھی کبھی ہو۔ یا کبھی بارش کا زور ہو
مالک کا ہے یہ حکم کہ ناغہ کیا کرو
ناغہ کے دن ملے کوئی اُجرت! محال ہے
کٹ جائے فاقہ ہی میں یہ غربت محال ہے
کہتا ہوں ایک بات تجھے۔ تُو سُنے اگر
حاصل ہو چین تجھ کو۔ اُسے مان لے اگر
کر غور اور دیکھ زمانہ کا حال کچھ
سونے سے پہلے تھوڑی سی فرصت نکال کچھ
لکھا پڑھا ہُوں اور ہُوں ہمسایہ میں ترا
مجھ کو خیال تیری غریبی کا ہے بڑا
فرصت کے وقت آ کے مرے پاس بیٹھ جا
میں رفتہ رفتہ قاعدہ دُوں گا تجھے پڑھا

بعد اس کے بچھ کو اور کتابیں پڑھاؤں گا
پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہی لکھنا سکھاؤں گا
کچھ خوانده پائے گا ترا نگراں جب تجھے
مزدور سے وہ میٹ بنائے گا تب تجھے
المختصر وہ چند مہینوں میں پڑھ گیا
اور اپنے سب رفیقوں سے رُتبہ میں بڑھ گیا
کہتے تھے لوگ سارے جمعدار اب اُسے
تنخواہ بھی تو ملتی تھی ماہوار اب اُسے
خود پڑھ گیا تھا اس لئے خواہاں تھا سب پڑھیں
بچّوں کو اُس نے کر دیا داخل سکول میں
اولاد اس کی آج ہے برتر جہان میں
اور ایسی جو نہ تھی کبھی وہم و گمان میں
بیرسٹر ان میں کوئی ہے کوئی ایڈیٹر
کوئی مجسٹریٹ ہے کوئی انجینئر
کوئی رئیس شہر ہے کوئی دبیر ملک
مخدوم قوم کوئی ہے کوئی مشیر ملک
جو کوئی ان میں ہے اُسے پڑھنے کا شوق ہے
آج اُس کی ذرّیات کو دنیا میں فوق ہے
بالغ نہ لکھنا پڑھنا اگر سیکھتا کبھی

اولاد اس کی کس طرح پائی یہ برتری
ہمسایہ ہو تو ہو اُسی ہمسائے کی طرح
ہمسایہ کیا وہ جو رہے چوپائے کی طرح
"ہمدردبن گے درد نہ بانٹا تو کیا جئے
جیتا ہے وہ جو مرچکا ہے قوم کے لئے"

علم اور دہقان

(از پنڈت دینا ناتھ مست کاشمیری)

دیکھ اے دہقاں ذرا چشم بصیرت کھول کر
رکھ رہا ہوں تیرے آگے راز فطرت کھول کر
اپنی حاجت کو بدل دے اکتساب علم سے
دل کو اپنے کر منوّر آفتاب علم سے
حسن تہذیب و تمدن سے ہو دہقاں نور پاش
نور تعلیم و ہنر سے دل ترا ہو طور پاش
جس سے انساں ہو امر ہے علم وہ آب حیات
علم کی تنویر سے روشن ہو ساری کائنات
ارتقائے آدمیت علم کے جوہر سے ہے
حسن انساں کا دوبالا علم کے زیور سے ہے
برکتیں دنیا میں ساری علم کی برکت سے ہیں

نعمتیں ساری میسّر علم کی نعمت سے ہیں

علم سے پاتی ہے دنیا اوج و معراج و کمال
علم کے سورج کو کب ہے ڈوبنے کا احتمال

علم سے ہوتا ہے انساں سربلند و سرفراز
علم ہی سے منکشف ہوتے ہیں سب فطرت کے راز

علم حاصل ہو جسے بھو کا وہ مر سکتا نہیں
جور آفاتِ زمانہ سے وہ ڈر سکتا نہیں

علم کے بل پر ہی تقدیریں بدل لیتے ہیں لوگ
دست قدرت کی بھی تحریریں بدل لیتے ہیں لوگ

علم وہ دولت ہے مصرف سے جو بڑھ جاتی ہے اور
کنکری الماس کی کٹ کر جلا پاتی ہے اور

علم ہو اس طرح ارزاں تو رہے محروم کیوں؟
شادمانی جب ہو وافر تو رہے مغموم کیوں؟

بہرہ ور ہو تو ہنر مندی سے اور تعلیم سے
مدرسے تیرے بھی سدھریں وار دھا اسکیم سے

مست کی سُن! دل سے کر دے دُور تو اوہام کو
کوستا جاتا ہے ناحق گردشِ ایام کو

کھاد کے لئے گڑھے

(از محمد الدین فوق)

کوڑا کرکٹ کو نہ کر ضائع کہ ہے کھیت کی جان
گڑھے کو قلعہ سمجھ اس کی حفاظت کے لئے
موسمی تپ سے جو بچنا ہے گڑھے میں رکھ کھاد
یہ مقام اچھا ہے مچھر کی اقامت کے لئے
اور جو ممکن ہو تو اس گڑھے کو پھر ڈھانپ بھی دے
گڑھا ہو بند۔ تو ضامن ہے وہ صحت کے لئے
الغرض جس طرح ممکن ہو۔ اسے یک جا کر
کہ خداداد یہ نعمت ہے زراعت کے لئے
تُو بھی گر سعی کرے اپنی فلاح کی خاطر
دیکھ تیار ہے قدرت بھی اعانت کے لئے

باہتمام ملک محمد عارف پرنٹر دین محمدی الیکٹرک پریس سرکلر روڈ ۱۷ لاہور
سے طبع کرا کر ظفر برادرس نے بیرون شیرانوالا دروازہ لاہور
سے شائع کیا